زاہد قرآن مجید کیسے ختم ہو سکتا ہے۔ شرافت صاحب کو چاہیے تھا کہ روایت کو درایت پر پرکھتے پھر نقل کرتے۔
انھوں نے شریف التواریخ کو الموضاعات الکبیر بنا دیا ہے۔ ص۵۵۵ پر مرقوم ہے کہ شیخ ابوالحسن علی الاصفہانی
تین روزہ کے بعد روزہ افطار کیا کرتے تھے۔ اس سے قبل وہ ایک صوفی کا واقعہ نقل کر چکے ہیں جو
شب سونگھ کر گزارا کر لیا کرتے تھے۔

شرافت صاحب ص۵۷۰ پر لکھتے ہیں کہ حضرت جنید کی میت کو غسل دیتے وقت غسّال نے چاہا کہ
ان کی آنکھوں کو کھول کر دھوئے، تو غیب سے آواز آئی کہ اپنے ہاتھ ہمارے دوست کی آنکھوں سے
دور رکھو۔ یہ آنکھیں ہمارے دیدار کے بغیر وا نہ ہوں گی۔ جب ان کا جنازہ اٹھا تو ایک سفید کبوتر جنازہ
پر بیٹھ گیا۔ جب لوگوں نے اُسے اُڑانے کی کوشش کی تو اس نے کہا کہ میرے پنجے جنازہ کے گوشے
پر جڑے ہوتے ہیں، تم جنازہ اٹھانے کی زحمت نہ کرو، اس کا جنازہ فرشتے اٹھاتے لیے جاتے ہیں
اگر تمہاری زحمت اور رغوغا کا اندیشہ نہ ہوتا تو ان کا کالبد باز سفید کی طرح ہوا میں اُڑ جاتا ۔ مجھے
یہاں رہ رہ کر شہدائے اُحد کا خیال آتا ہے جنہیں غسل و کفن بھی نصیب نہ ہوا۔ جن کے پاؤں
گھاس سے ڈھانپے گئے۔

شرافت صاحب ص۵۸۶ پر لکھتے ہیں کہ حضرت ابوبکر شبلیؒ نے جب مجاہدہ شروع کیا تو رات کو
آنکھوں میں نمک پیس کر ڈالا کرتے تھے تاکہ نیند نہ آئے اور انھوں نے سات من نمک تا زمانہ مجاہدہ
آنکھوں میں ڈالا۔ یہ روایت کسی تبصرہ کی محتاج نہیں۔ اس سے اگلے صفحہ پر انھوں نے سید الطائفہ کا
یہ قول نقل کیا ہے کہ "شبلی عین اللہ ہے درمیان خلق کے"۔ شریف التواریخ کے مطالعہ سے یہ
مترشح ہوتا ہے کہ ہندوؤں کی طرح بعض صوفیاء بھی اس بات کے قائل تھے کہ اللہ تعالیٰ کبھی کبھی
انسان کا روپ دھار کر آجاتا ہے۔ وحدت الوجود کی تو بات ہی دوسری ہے، وہاں تو دوئی کا تصور
ہی نہیں ہے۔ ہمارے یہاں ان دنوں عزیز میاں قوال کی ایک قوالی بڑی مقبول ہے جس کا
یہ بول ہے:

ترسٹھ سال مکّے میں رہا پھر بھی نہ پہچانا کون ہے رام اور کون ہے بندہ

شیخ ابوطالب المکی کی تصنیف کا نام قوۃ القلوب ہے۔ شرافت صاحب نے اسے تشدید کے
ساتھ قوّۃ القلوب لکھا ہے، جو صحیح نہیں۔ اس کتاب کی کتابت چونکہ انھوں نے خود ہی کی ہے اسلئے
اسے کاتب کی فروگذاشت نہیں کہا جا سکتا۔

طرطوس شام کا ایک ساحلی مقام ہے۔ شرافت صاحب نے ص۶۲۷ پر اسے اندلس کا ایک
پُررونق شہر بتایا ہے۔ اسی طرح بلادِ دیلم کو انھوں نے ص۶۲۹ پر بلادِ ویلم لکھا ہے۔

شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے بارے میں مصنف لکھتے ہیں کہ وہ ایک سال صرف پانی پی کر
گذارہ کیا کرتے تھے اور ایک سال بالکل کچھ نہیں کھاتے تھے اور سونا بھی ترک کر دیتے تھے۔
شرافت صاحب ص۶۷۷ پر شیخ ابوعبداللہ قضیب موصلی کے بارے میں لکھتے ہیں کہ وہ ایک ماہ
زاویہ میں مقیم رہے۔ اس دوران میں کسی شخص نے انھیں کھاتے پیتے، سوتے لیٹتے نہیں دیکھا۔
عبادت و مجاہدہ میں یہ غلو مسلمان کے ہاں بدھوں اور جینیوں سے آیا ہے۔ عہدِ صحابہؓ میں ایسی
مثالیں ڈھونڈے سے نہیں ملتیں۔ اللہ تعالیٰ کے سوا ہر چیز آکل یا ماکول ہے۔

شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے بارے میں مصنف ص۶۵۳ پر لکھتے ہیں کہ انھوں نے چالیس برس
عشاء کے وضو سے فجر کی نماز ادا کی اور ص۶۱۱ پر لکھتے ہیں کہ موصوف کی چار بیویاں اور انچاس بچے
تھے۔ ص۶۵۴ پر لکھتے ہیں کہ آپ وقوعِ حدث کے بعد وضو کی بجائے غسل فرمایا کرتے تھے اور
ایک شب آپ نے باون بار قضائے حاجت کے بعد وضو کی بجائے دجلہ پر جا کر غسل فرمایا۔ ہم
ان تینوں روایتوں میں تطبیق کرنے سے قاصر ہیں۔ جو شخص چالیس برس عشاء کے وضو سے فجر کی
نماز ادا کرے اس کے ہاں انچاس بچے کیسے پیدا ہو گئے؟ کیا یہی وہ تحقیقی شاہکار ہے جس کیلئے
مصنف نے امام بخاریؒ جتنی محنت کی ہے؟ کہاں رام رام کہاں ٹیں ٹیں۔ بخاریؒ کی گردِ پا
کو بھی کوئی نہیں پہنچ سکتا۔

شرافت صاحب ص۶۶۴ پر رقمطراز ہیں کہ شاہ جیلانیؒ کا عمامہ ستّر ہزار دینار کی مالیت کا تھا۔
اگر پورے کا پورا عمامہ سونے کے تاروں سے بنایا جاتا تب بھی اس کی لاگت ستّر ہزار دینار سے کہیں کم

ہونی چاہئے تھی۔ اتنا قیمتی جامہ کس کپڑے سے بنایا جاتا تھا؟

شرافت صاحب ص۲۲۱ پر تفریح الاولیاء اور انیس القادریہ جیسی مجہول قسم کی کتابوں کے حوالوں سے لکھتے ہیں کہ حضور نبی کریمؐ نے شب معراج سدرۃ المنتہیٰ کے قریب ایک بارگاہ عالی میں دو سفید مرغ خوش پیکر دیکھے جو اُڑ کر عرش تک جاتے اور پھر اپنی جگہ واپس آجاتے حضورؐ نے بارگاہ عزاسمہٗ میں ان کے بارے میں استفسار کیا تو جواب ملا کہ ان میں سے ایک مرغ عبدالقادر جیلانیؒ ہیں اور دوسرا مرغا بایزید بسطامیؒ ہیں۔ اگلے صفحہ پر مصنف مناقب غوثیہ نام کی کسی بے سند کتاب کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ جب جبرئیل امین سدرۃ المنتہیٰ پر جاکر رُک گئے تو اس وقت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی روح حاضر ہوئی اور حضورؐ نے اپنا قدم مبارک ان کے کندھے پر رکھا اور شیخ موصوف انھیں مقام قاب قوسین اَو ادنیٰ تک لے گئے۔ جب شیخ موصوف پیدا ہوتے تو ان کے کندھے پر حضورؐ کے پائے مبارک کا نشان موجود تھا۔

میرے ایک شاگرد پروفیسر پرویز اقبال بھٹی، ڈگری کالج قصور میں تاریخ پڑھاتے ہیں میں نے شریف التواریخ کے بعض مقامات انھیں دکھائے تو وہ کہنے لگے کہ اگر اس کا انگریزی میں ترجمہ ہو جائے اور اسے اقوام یورپ پڑھ لیں تو اسلام ہدفِ ملامت بن جائے اور مسلمان کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہیں۔

شرافت صاحب نے غوث الاعظم کے مقام کو بڑھانے کی غرض سے مقام نبوت کو اتنا گھٹا دیا کہ نبی کریمؐ شب معراج میں غوث الاعظم کے محتاج و ممنون ہو کر رہ گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔

کیا یہی وہ "عشقِ رسول" ہے جس کا دعویٰ مجلس رضا کے اراکین ببانگ دہل کرتے پھرتے ہیں۔ میری حکومتِ پاکستان سے یہ درخواست ہے کہ وہ فوراً اس کتاب کو ضبط کرے اور سختی کے ساتھ مصنف کی ہرزہ سرائیوں کا نوٹس لے۔

شرافت صاحب "احیائے اموات غریق دریا" کے عنوان سے ص۲۲۷ پر لکھتے ہیں کہ دجلہ میں ایک کشتی جارہی تھی جس میں دو لہا دلہن اور براتی سوار تھے وہ کشتی ڈوب گئی اور بارہ سال بعد

غوث الاعظم نے دولھا کی والدہ کی استدعا پر اس کشتی کو صحیح و سالم پار لگا دیا۔ اس واقعہ کو سچا ثابت کرنے کے لیے مصنف نے حضرت عزیزؑ کی مثال پیش کی ہے جو سو سال بعد دوبارہ زندہ ہو گئے تھے۔ حضرت عزیزؑ کو اللہ تعالیٰ نے یہ مشاہدہ کروایا تھا کہ وہ تباہ شدہ بستیوں کو دوبارہ کیسے آباد کرتا ہے اور مردہ گدھے کو زندہ کر کے بعث بعد الموت کا یقین دلانا تھا۔ برات کے معاملہ میں ایسا نہیں تھا۔ شہدائے بدر و اُحد اور شہدائے بیر معونہ کو کسی نے زندہ نہیں کیا۔ حالانکہ ان میں مصعب بن عمیرؓ، سیدنا حمزہؓ، حضرت جعفر طیارؓ اور زید بن حارثہؓ جیسی بزرگ ہستیاں موجود تھیں، جن سے حضورؐ بے حد محبت فرماتے تھے۔ حضرت جعفرؓ کی شہادت پر سرکار دو عالمؐ نے فرمایا کہ اگر میت کیلئے ماتم کا جواز ہوتا تو آپؐ جعفرؓ کے لیے ماتم بپا کرواتے۔ سورۃ المؤمنون کی آیت ہے: وَمِن وَّرَآئِهِم بَرْزَخٌ إِلَىٰ يَوْمِ يُبْعَثُونَ۔ یعنی مرنے والوں اور اس دنیا کے درمیان قیامت تک کے لیے ایک آڑ ہے اور وہ دنیا میں دوبارہ نہیں آ سکتے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: اَنَّهُمْ اِلَيْهِمْ لَا يَرْجِعُونَ۔ لیکن تصوف کی دنیا ہی نرالی ہے۔ یہاں نہ قرآن کے احکام چلتے ہیں اور نہ ہی شریعت کی پروا کی جاتی ہے۔ جو کسی جاہل متصوف کے ذہن میں آتا ہے، لکھ ڈالتا ہے اور پھر اسکے صحیح ہونے پر اصرار کیا جاتا ہے بلکہ اسے عقیدہ بنا لیا جاتا ہے۔ ہمارے پاس ایک ہی کسوٹی ہے، کتاب اللہ، سنت رسول اللہؐ اور آثار صحابہؓ۔ اگر کوئی بات اس معیار پر پوری اُترتی ہے تو وہ صحیح ہے، ورنہ نہیں۔ اگر ہر صوفی کے کشف اور اس کی تحریر پر اعتبار کر لیا جائے تو شریعت بازیچۂ اطفال بن کر رہ جائے۔ آج بعض بدعتی بڑے زور و شور سے یہ پروپیگنڈہ کرتے ہیں کہ ان کے پیر صاحب آج بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے دریافت کر کے یہ بتا سکتے ہیں کہ کونسی حدیث صحیح ہے اور کونسی وضعی۔ دراصل یہ لوگ کشف و کرامت کا سہارا لے کر محدثین کرام کی محنتِ شاقہ، جرح و تعدیل، روایت و درایت اور اسماء الرجال کے پورے مجموعہ کو غارت کرنا چاہتے ہیں۔

(جاری)

# وشوا بھارتی یونیورسٹی کے فارسی، عربی اور اردو مخطوطات

عبدالوہاب بدر بستوی، سینٹرل لائبریری، وشوا بھارتی یونیورسٹی، شانتی نکیتن، مغربی بنگال

(برہان ماہ دسمبر ۱۹۸۲ء سے پیوستہ)

اسی شخص نے اپنی سیاسی فہم و بصیرت کی بنا پر مختلف صوبوں کی گورنری اور بعد میں سپہ سالاری کے
منصب کا اعزاز حاصل کیا۔ بہمہ خوبی فتنہ پردازی میں بھی یکتائے روزگار تھا۔ نورجہاں اس
ی آصف خاں اور جہانگیر کے مابین ایسی ریشہ دوانیوں کا موجب ہوا جس کے بُرے اثرات
جہانگیری میں خانہ جنگی پر منتج ہوئے۔ یہ اہم حادثہ ۱۰۳۵ھ / ۱۶۲۵ء میں پیش آیا جس کی تفصیل تزک جہانگیری
تا ص ۴۲۴، اقبال نامہ جہانگیری ص ۲۵۲ تا ۲۷۱ اور مآثر الامراء جلد سوم ص ۳۹۲ تا ص ۳۹۶ ملاحظہ
ہا سکتی ہے۔ غرضیکہ یہ عظیم سپہ سالار ۱۰۴۴ھ / ۱۶۳۴ء میں بمقام برہان پور انتقال کر گیا۔ جسے وصیت کے
ابق دہلی میں لاکر شاہ مرداں کی قبر کے پاس دفن کیا گیا[1]۔ عبدالحمید لاہوری (متوفی ۱۰۶۵ھ / ۱۶۵۵ء)
عدد اطلاعات کے مطابق مہابت خاں کے چار لڑکے خانزمان (امان اللہ حسینی)، لہراسپ،
ناسپ اور دلیر ہمت نام کے تھے جن میں سے خانزماں ہی تاریخ میں سب سے نمایاں ہیں۔ باقی
بی کچھ نہ کچھ خصوصیت کے مالک تھے اور عہد شاہجہانی میں مختلف مناصب سے نوازے بھی گئے تھے[2]۔

سترہویں جلوس جہانگیری (۱۰۳۱ھ / ۱۶۲۱ء) میں جبکہ مہابت خاں کابل کے گورنر تھے اور جہانگیر
سے اپنی حضور میں طلب کیا تو امان اللہ حسینی کو پہلی بار باپ کی جگہ کابل کی گورنری، منصب

---

۱ مآثر الامراء جلد سوم ص ۴۰۷۔

۲ بادشاہ نامہ جلد اول ص ۱۹۳ - ۳۰۳ - ۳۲۵ اور جلد دوم ص ۷۵

سہ ہزاری وخطاب خانہ زاد خاں سے عزت بخشی[۵۱]۔ اور بیستم جلوس (...) میں بنگالہ کی
گورنری تفویض ہوئی۔ پھر جب شاہجہاں اورنگ شاہی پر جلوہ گر ہوا تو اس سال امان اللہ
لاہور میں تھے۔ لاہور سے جب دار السلطنت میں آئے تو شاہجہاں نے منصب پنجہزاری ...
سوار وخطاب خانزمان اور مالوہ کی صوبیداری مرحمت فرمائی۔ پھر اسی سال جب ان کے والد
مہابت خاں کو دکن کی صوبہ داری عنایت کی تو امان اللہ کو مالوہ سے بلوا کر والد کا نائب بنا کر
دکن بھیجدیا گیا۔ عہد جہانگیری اور شاہجہانی میں موصوف کی متعدد سیاسی اور جنگی خدمات بھی کتب
تواریخ فارسی میں مذکور ہیں۔ جن میں سے دو کارنامے نہایت ہی اہم ملتے جاتے ہیں۔ پہلا جنگی کارنامہ
عہد جہانگیری میں ظہور پذیر ہوا جبکہ سرحد خراسان اور قندھار وغزنین کے کچھ سماج دشمن عناصر
قزاق اس طرح طوفان بپا کیے ہوتے تھے کہ باشندگان مقامات مذکور عاجز وپریشان ہو گئے
امان اللہ حسینی تک جب فریادی ہوتے تو انھوں نے اپنی پوری فوجی جمعیت کے ساتھ فتنہ پرور
اور قزاقوں کو تہ تیغ کرکے ان تمام آماجگاہ شر وفساد میں امن وسکون اور اطمینان کی فضا قائم کی
اور دوسرا اہم کارنامہ بعہد شاہجہاں ۱۰۴۶ھ/۱۶۳۶ء میں دکن میں پیش آیا جہاں کے راجہ ساہو کی باغیانہ
سرگرمیوں کو فرو کرنے کے لیے موصوف کو متعین کیا گیا اور جس میں اپنی جانبازیوں سے فتح وظفر
کی سرخروئی حاصل کی۔ اسی سال (۱۰۴۶ھ/۱۶۳۶ء میں) بمقام بالاگھاٹ[۵۲] (دکن) امان اللہ حسینی اپنے
مالک حقیقی سے جا ملے۔

موصوف نے اپنی سیاسی ذمہ داریوں کو جس خوش اسلوبی سے ادا کیا اسی طرح آپ کے
علمی کارنامے بھی اہل علم کے استفادہ کے لیے رہتی دنیا تک یادگار ہیں۔ پیش نظر رقعات
کے علاوہ ذیل کی کتب مشہور زمانہ ہیں:

---

[۵۱] اقبالنامہ جہانگیری، ص ۱۹۵ مصنفہ معتمد خاں بخشی (محمد شریف) متوفی ۱۰۴۹ھ/۱۶۳۹ء

[۵۲] یہ وہ علاقہ مراد ہے جو برار کے جنوب اور دولت آباد کے مشرق میں پان گنگا ندی سے گوداوری ندی تک پھیلا ہوا تھا اور ... میں اسے کچھ عرصہ کے واسطے صوبہ تلنگانہ میں ضم کردیا گیا تھا۔ (بحوالہ تاریخ ہند جلد سوم ص ۱۴۱ مصنفہ مولوی سید ... فریدآبادی)

- تاریخ عام
- گنج باد آورد (متعلق ہندوستانی کاشتکاری)
۱- چہار عنصر دانش (عربی فارسی لغت)
۱- دیوان (شعری مجموعہ)
- اُم العلاج (طبی کتاب جو جلاب اور مُسہل پر ہے)

اولاد میں صرف ایک لڑکے مسمی شکر اللہ تھے، جن کو شاہجہاں نے باپ کی زندگی ہی میں مختلف اصب اور اعزاز سے نواز دیا تھا۔

**فۃ السلطانیہ** مصنف حسن بن گل محمد، صفحات ۲۶، کاتب اور تاریخ کتابت مذکور نہیں۔ کتابت نستعلیق۔ ٹائٹل صفحہ پر "الجزء الاوّل کتاب اول نامہ من تصنیف حسن بن محمد" تحریر شدہ ہے۔ جس سے نسخہ کے نامکمل ہونے کی اطلاع ملتی ہے۔ اس کمی کے علاوہ یان اور آخر کے کچھ اوراق نہیں ہیں۔ یہ نسخہ فن انشاء اور املا کے موضوع پر ہے جس میں تین ب ذیل پائے جاتے ہیں:

باب اول مکتوبات، باب دوئم دراحکام سلاطین، باب سیوم درمکاتبات شرعیہ۔

نسخہ ہذا کے سلسلے میں مسٹر ڈبلیو۔ ایوانو (W. Ivanow) نے مسٹر بلوچیٹ (Blochet) کا ذکر کیا ہے کہ مصنف نے اپنی اس تصنیف کو شاہزادہ شاہجہاں کے نام سے معنون کیا ہے۔[۵] اطلاع سے صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ نسخہ جہانگیر کے عہد حکومت میں مرتب ہوا تھا۔ اس سے زیادہ نیف اور اس کے مصنف کے متعلق کوئی علم کہیں سے فراہم نہیں ہوا۔ مخصوص سال تصنیف کے بارے میں مسٹر ایتھے اور ایوانو دونوں ہی نے لاعلمی کا اظہار کیا ہے۔ یہ نسخہ ایشیاٹک سوسائٹی ریری کلکتہ اور مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کی لائبریری کے سبحان کلیکشن میں بھی موجود ہے۔

---

۵ کٹلاگ فارسی قلمی ایشیاٹک سوسائٹی لائبریری کلکتہ۔ جلد اول ص ۱۸۰۔

سہ ہزاری و خطاب خانہ زاد خان سے عزت بخشی[1]۔ اور بیستم جلوس (۱۰۳۴ھ/۱۶۲۴ء) میں بنگال کی گورنری تفویض ہوئی۔ پھر جب شاہجہاں اورنگ شاہی پر جلوہ گر ہوا تو اس سال امان اللہ خان لاہور میں تھے۔ لاہور سے جب دار السلطنت میں آئے تو شاہجہاں نے منصب پنجہزاری پنجہزار سوار و خطاب خانزمان اور مالوہ کی صوبیداری مرحمت فرمائی۔ پھر اسی سال جب ان کے والد مہابت خاں کو دکن کی صوبہ داری عنایت کی تو امان اللہ کو مالوہ سے بلوا کر والد کا نائب بنا کر دکن بھیجدیا گیا۔ عہد جہانگیری اور شاہجہانی میں موصوف کی متعدد سیاسی اور جنگی خدمات بھی کتب تواریخ فارسی میں مذکور ہیں۔ جن میں سے دو کارنامے نہایت ہی اہم ملتے جلتے ہیں۔ پہلا جنگی کارنامہ عہد جہانگیری میں ظہور پذیر ہوا جبکہ سرحد خراسان اور قندھار و غزنین کے کچھ سماج دشمن عناصر اور قزاق اس طرح طوفان بپا کیے ہوتے تھے کہ باشندگان مقامات مذکور عاجز و پریشان ہو گئے۔ امان اللہ حسینی جب فریادی ہوتے تو انھوں نے اپنی پوری فوجی جمعیت کے ساتھ فتنہ پروروں اور قزاقوں کو تہ تیغ کر کے ان تمام آماجگاہ شر و فساد میں امن و سکون اور اطمینان کی فضا قائم کی۔ اور دوسرا اہم کارنامہ بعہد شاہجہاں (۱۰۴۶ھ/۱۶۳۶ء) میں دکن میں پیش آیا جہاں کے راجہ ساہو کی باغیانہ سرگرمیوں کو فرو کرنے کے لیے موصوف کو متعین کیا گیا اور جس میں اپنی جانبازیوں سے فتح کی سرخروئی حاصل کی۔ اسی سال (۱۰۴۶ھ/۱۶۳۶ء میں) بمقام بالاگھاٹ[2] (دکن) امان اللہ حسینی مالک حقیقی سے جا ملے۔

موصوف نے اپنی سیاسی ذمہ داریوں کو جس خوش اسلوبی سے ادا کیا اسی طرح علمی کارنامے بھی اہل علم کے استفادہ کے لیے رہتی دنیا تک یادگار ہیں۔ بیشتر [illegible] کے علاوہ ذیل کی کتب مشہور زمانہ ہیں:

---

[1] اقبالنامہ جہانگیری ص ۱۹۵ مصنفہ معتمد خان بخشی (محمد شریف) [illegible]

[2] یہ وہ علاقہ مراد ہے جو برار کے جنوب اور دولت آباد کے مشرق میں [illegible] میں اسے کچھ عرصہ کے واسطے صوبہ تلنگانہ میں ضم کر دیا گیا تھا۔ [illegible] فرید آبادی)

- تاریخ عام
- گنج باد آورد (بتعلق ہندوستان کا شتکاری)
- چہار عنصر دانش (عربی فارسی لغت)
- دیوان (شعری مجموعہ)
- اُم العلاج (طبی کتاب جو جلاب اور مسہل پر ہے)

اولاد میں صرف ایک لڑکے مسمیٰ شکر اللہ تھے، جن کو شاہجہاں نے باپ کی زندگی ہی میں مختلف ناصب اور اعزاز سے نواز دیا تھا۔

**تحفۃ السلطانیہ** مصنف حسن بن گل محمد، صفحات ۲۶، کاتب اور تاریخ کتابت مذکور نہیں۔ کتابت نستعلیق۔ ناقص صفحہ پر "الجزء الاوّل کتاب اول نامہ من تصنیف حسن بن گل محمد" تحریر شدہ ہے۔ جس سے نسخہ کے نامکمل ہونے کی اطلاع ملتی ہے۔ اس کمی کے علاوہ درمیان اور آخر کے کچھ اوراق نہیں ہیں۔ یہ نسخہ فن انشاء اور املا کے موضوع پر ہے جس میں تین ابواب ذیل پائے جاتے ہیں:

باب اول مکتوبات، باب دوئم در احکام سلاطین، باب سیوم در مکاتبات شرعیہ۔

نسخہ ہذا کے سلسلے میں مسٹر ڈبلیو۔ ایوانو (W. Ivanow) نے مسٹر بلوچیٹ (Blochet) کا ذکر کیا ہے کہ مصنف نے اپنی اس تصنیف کو شاہزادہ شاہجہاں کے نام سے معنون کیا ہے۔[۱] اطلاع سے صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ نسخہ جہانگیر کے عہد حکومت میں مرتب ہوا تھا۔ اس سے زیادہ ... اور اس کے مصنف کے متعلق کوئی علم کہیں سے فراہم نہیں ہوا۔ مخصوص سال تصنیف کے ... میں مسٹر ایتھے اور ایوانو دونوں ہی نے لاعلمی کا اظہار کیا ہے۔ یہ نسخہ ایشیاٹک سوسائٹی ... کلکتہ اور مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کی لائبریری کے سبحان کلیکشن میں بھی موجود ہے۔

---

[۱] کیٹلاگ فارسی قلمی ایشیاٹک سوسائٹی لائبریری کلکتہ۔ جلد اول ص ۱۰۰۔